غلام محمد سعید عابد المکۃ المکرمہ

جہاد

کوئی مسلمان لفظ جہاد سے بے خبر اور ناواقف نہیں۔ اس لئے کہ ان کی تاریخ کا قابل فخر حصہ وہی تو ہے۔ جو جہاد سے عبارت ہے۔ ہماری تاریخ کے روشن ترین ابواب وہی ہیں۔ جنہیں مجاہدین اسلام نے اپنے مقدس خون سے رنگین کیا ہے۔ اور جب سے ہم نے جہاد کو ترک کیا ہے۔ ذلت و نکبت ہمارے گلے کا طوق اور زوال و انحطاط ہماری پیشانی کا داغ بن کر رہ گئے ہیں ؎

یہی ہے موت جو تجھ سے بچھڑ کر ہم نے دیکھی ہے۔
وہی تھی زندگی جو تیری محفل میں گذار آئے۔

ہم سب جانتے ہیں۔ کہ جہاد جہد سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ انتہائی کوشش کرنا۔ دین کی اصطلاح میں دنیا میں خدا کا کلمہ بلند کرنے اور خدا کی زمین پر خدا کی حاکمیت قائم کرنے کے لئے اپنا تن من اور دھن غرض ہر قوت و صلاحیت کو کھپا دینے کا نام جہاد ہے۔

خالق خیر و شر نے اس جہان رنگ و بو کا خمیر ہی کچھ اس انداز سے اٹھایا ہے۔ کہ یہاں ہر لمحہ ایک کشمکش برپا ہے۔ کشمکش حق اور باطل کے درمیان۔ کشمکش خیر اور شر کے مابین کشمکش درست اور نادرست کے درمیان۔ کشمکش حزب اللہ اور حزب الشیطان کے درمیان ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی ؐ سے شرار بولہبی

پھر اس کشاکش کا دائرہ عمل اس قدر وسیع ہے۔ کہ اقوام و ملل اور جماعتوں سے قطع نظر خود افراد بھی اپنی انفرادی حیثیت میں داخلی طور پر اس کشمکش سے دوچار

ہیں۔

جس طرح کائنات کی مختلف کہکشاؤں میں کارفرما باہمی جذب وکشش کا عمل ایک نظر نہ آنے والے ذرے میں بھی الیکٹران کی صورت میں جلوہ گر ہے۔ اسی طرح انسان کا ننھا سا دل جو بقول شاعر ایک قطرۂ خون سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اس معرکۂ خیر و شر کی زبردست رزمگاہ ہے۔ جو اس عالم ناپیدا کنار میں برپا ہے۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔

غالب نے اس داخلی کشمکش کی ترجمانی یوں کی ہے۔ ؎

ایماں مجھے روکے ہے۔ تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے پیچھے ہے۔ کلیسا میرے آگے !

اب جو شخص اس داخلی کشمکش میں نفس کے شر کو مغلوب کر لیتا ہے۔ وہ خارجی دنیا کے معرکہ خیر و شر میں خیر کا دست و بازو یا بالفاظ دیگر مجاہد ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کے برعکس جو شخص اس داخلی آویزش میں شر سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ وہ عالم خارجی میں متحرک یا معطل طور پر شر کا معاون و مددگار بن جاتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے۔ تو دنیا کا کوئی متنفس اس رزم خیر و شر سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ ہم میں سے ہر شخص شعوری یا غیر شعوری طور پر خیر یا شر میں سے ایک کا لازما رکن ہے۔ اب یہ دیکھنا ہمارا کام ہے کہ ہم مقاصد خیر و فلاح میں معاون بن رہے ہیں۔ یا دام شر و فساد کے پنچیر اور آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ ہمارا وجود بھلائی کے کاز کو آگے بڑھانے میں ممد ہو رہا ہے۔ یا برائی کی تمنائیں بر لا رہا ہے۔ قرآن پاک یہ ارشاد ہر وقت ہمارے پیش نگاہ رہنا چاہیئے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (تعاون کرو نیکی اور تقوی کے کاموں پر لیکن گناہ اور سرکشی پر تعاون نہ کرو۔)

میں ذکر کشمکش کا کر رہا تھا۔ جو یہاں ذرۂ بے مقدار سے لے کر کائنات کی پہنائیوں تک اور ایک دل ناچیز سے لے کر وسیع و عریض عالم وجود کی گہرائیوں تک ہر لمحہ اور ہر آن جاری ہے۔ نفسیات کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے۔ کہ انسان کی صلاحیتیں مقابلے اور مسابقے ہی سے پروان چڑھتی اور نکھار حاصل کرتی ہیں۔ تیغ خودی کی دھار کشمکش ہی کی سان پر تیز سے تیز تر ہوتی ہے۔ انسانی فکر اور انسانی قوت کے ممکنات اور اس کی

(HIGHEST APPROAHC) کا کھوج شدید اور کشمکش ہی کے ذریعے لگایا جاسکتا ہے۔ بقول اقبال

کشت انساں را عدو باشد سحاب　　　　ممکناتش را بر انگیزد ز خواب
سنگ رہ گردد فسان تیغ عزم　　　　قطع منزل امتحان تیغ عزم

اسی لئے مومن کو شر و فساد کے خلاف جہاد کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔ تاکہ اس کی قوتیں ٹھٹھر نہ جائیں۔ اس کی صلاحیتیں زنگ آلود نہ ہو جائیں۔ بلکہ لمحہ بہ لمحہ سنورتی اور نکھرتی چلی جائیں۔ اور وہ ترقی کرتا کرتا اس مقام پر پہنچ جائے۔ کہ اللہ کی برہان قرار پائے جیسا کہ اقبال کہتا ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان　　　　گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

اسلام کے بنیادی فرائض پہ اگر آپ ذرا نظر غائر ڈالیں۔ تو آپ دیکھیں گے۔ کہ یہ سب نیاری جہاد کے مختلف مراحل اور ذرائع ہیں۔ مومن بارگاہ قدس میں دن میں کئی بار اپنا سر جھکاتا ہے۔ تو گویا وہ زبان حال سے کہہ رہا ہوتا ہے۔ کہ اے بار الہا! جو سر میں تیرے آستانے پر ٹکا رہا ہوں۔ وقت آنے پر اسے کٹا دینے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ روزہ مومن کو داخلی دنیا (نفس) کی تسخیر کی قوت بخشتا ہے۔ اور یہ داخلی دنیا کی تسخیر دراصل خارجی دنیا کی تسخیر کی تمہید ہے۔ زکوٰۃ مال و دولت دنیا کی محبت کا قلع قمع کر کے اس میں ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اور حج کرتے ہوئے جب وہ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ کا نعرہ لگاتا ہے۔ تو گویا وہ اعلان کرتا ہے۔ کہ خدائے حقیقی کے سوا دنیا میں جتنے مصنوعی خدا بنے بیٹھے ہیں۔ ان کی نفی ہی نہیں کرتا۔ انہیں نیست و نابود کر دینے کا عزم بھی رکھتا ہوں۔ اگر دل میں یہ جذبات جہاد نہ ہوں۔ تو تمام عبادات روح سے خالی ہو کر محض رسوم رہ جاتی ہیں۔ اقبال نے ان اشعار میں اسی حقیقت کا شعور دلانے کی کوشش کی ہے۔ ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن　　　　ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں　　　　کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

ہمارے دل و دماغ میں ہر وقت یہ امر مستحضر رہنا چاہیئے۔ کہ ہم مسلمان ہیں۔ وہ مسلمان جنہیں خیر کا نمائندہ اور کارندہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ (تم ایک بہترین امت ہو۔ جسے لوگوں کی خدمت و ہدایت کے لئے برپا کیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو۔ اور بدی کو روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

جنگ ہر قوم کو لڑنا پڑتی ہے۔ کوئی غلبۂ حرص کی بناپر دوسروں پر چڑھ دوڑتا ہے۔ تو کسی کو اپنے بچاؤ کے لئے میدان میں کودنا پڑتا ہے۔ کسی کو اپنی قومی برتری کا جذبہ آمادہ پیکار کر دیتا ہے۔ تو کسی کو جوع الارض چین نہیں لینے دیتی۔ اور اسے فساد فی الارض پر اکساتی رہتی ہے۔ وہ ملکوں پر ملک کھائے چلا جاتا ہے۔ لیکن اس کی بھوک کی تسکین نہیں ہوتی۔ ہمیں نہ صرف انہیں روکنا ہے۔ بلکہ انہیں ملیا میٹ بھی کرنا ہے۔ تاکہ انسانیت سکھ کا سانس لے سکے۔ مسلمان کی خصوصیت بھی ہے۔ اور فریضہ بھی کہ وہ اپنی نہیں کلمۃ اللہ کی سربلندی اور برتری کے لئے میدان جنگ میں اترتا ہے۔ وہ اپنے ملک و قوم کے غلبے کے لئے نہیں۔ غلبہ حق کی خاطر باطل کی قوتوں سے ٹکراتا ہے۔ اس آویزش و پیکار کے بغیر کوئی چارہ نہیں کیوں کہ

ایسی کوئی دنیا نہیں افلاک کے نیچے ۔۔۔ بے معرکہ ہاتھ آئے جہاں تخت جم و کے

اور مسلمان یہ تخت جم و کے اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ دنیا کے شر و فساد کے خار زار کا قلع قمع کر کے یہاں امن و سکون اور خیر و فلاح کا گلزار کھلانے کے لئے حاصل کرتا ہے جیسا کہ قرآن بتاتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (یہ وہ لوگ ہیں۔ کہ اگر ان کو زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے۔ نیکی کا حکم کریں گے اور بدی کو روکیں گے۔)

اور یہ وہ عظیم ترین مقصد ہے۔ جس کی خاطر جان دینے والوں کے لئے موت کا تلخ گھونٹ آب حیات کا جام شیریں بنا دیا جاتا ہے۔ جس کا سرور اسے جنت میں پہنچ کر بھی نہیں بھولتا اور جب وہ شہید راہ حق زبان حال سے کہتا ہے۔ کہ

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی ۔۔۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تو افلاک سے ندا آتی ہے۔ کہ ٹھیک ہے۔ تیری شان عبودیت کا تقاضا یہی ہے۔

کہ تو انتزاہٹ میں نہ آئے۔ مگر ہم ناقدر نہیں۔ قدر دان ہیں۔ اور ہماری قدر دانی کا اقتضاء یہ ہے۔ کہ ہم یہ سننا بھی گوارا نہ کریں۔ کہ تو مر چکا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ

بلکہ ہمیں تو یہ تک گوارا نہیں۔ کہ کسی کے دل میں تمہارے فنا ہو جانے کا خیال تک بھی نہ آئے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ

حق کی خاطر جان دے کر تم نے موت کو مسخر کر لیا ہے۔ تم فاتح موت ہو۔

ہمارے گرد و پیش رو نما ہونے والے واقعات جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر ہم سے مطالبہ کر رہے ہیں۔ کہ ہم آنے والے حالات اور ٹوٹنے والی قیامتوں کا احساس و ادراک کریں بین الاقوامی صورت حال بھی پکار پکار کر ہم سے اس بات کا تقاضا کر رہی ہے۔ کہ قوم میں روح جہاد پھونکی جائے۔ کیا ہم دیکھتے نہیں۔ کہ مسلمانان افغانستان دن رات آتش و آہن کی بارش میں نہائے جا رہے ہیں۔ کیا درۂ خیبر کے اس پار کوندنے والی سرخ بجلیاں ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں۔ اے میری قوم کے بے فکر نوجوان ذرا ہوش میں آ

طائر رنگیں نوا! فکر آشیانے کی بھی کر
بجلیاں بیتاب ہیں۔ اس کو جلانے کے لئے

حیران ہوں کہ فلموں کے حسین مناظر دیکھنے کی عادی آنکھیں خاکم بدہن خوف و دہشت کا وہ ڈرامہ کیسے دیکھ سکیں گی۔ جو پردہ سکرین پہ نہیں۔ گلی کوچوں میں کھیلا جائے گا۔ سریلے اور رسیلے نغموں کے رسیا کان گولیوں گولوں اور بموں کے دھماکوں کی تاب کیسے لاسکیں گے۔ اور تیر نگاہ سے گھائل ہو جانے والے نازک اندام سنسناتی ہوئی گولیوں کا سامنا کیسے کریں گے۔

لہو مجھ کو رلاتی ہے۔ جوانوں کی تن آسانی

اہل افغانستان کی حالت زار کا نقشہ نگاہوں میں لاتے ہوئے ذرا سوچیئے کہ قرآن پاک کی یہ آیت کہہ رہی ہے؟ کیسے کہہ رہی ہے۔؟

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ج وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ہ

(اور تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کہ تم اللہ کے راستے میں جہاد نہیں کرتے۔ جب کہ کمزور مرد عورتیں اور بچے (بے بسی میں) پکار رہے ہیں۔ اے اللہ ہمیں اس بستی سے نکال۔ جس کے باشندے ظالم ہیں۔ اور ہمارے لئے اپنے پاس سے مددگار بھیج اور اپنے پاس سے ہمارے لئے کوئی حمایتی پیدا فرما۔)

کیا یہ سمجھ لیا جائے۔ کہ اس آیت کے مخاطب دنیا سے نابود ہو چکے ہیں۔ ہمارے لئے یہ ایک عظیم لمحۂ فکریہ ہے۔

تفکروا وتدبروا!